موروثی جمہوریت غیر موروثی آمریت

تحریر: سہیل احمد لون

بھارت کے حالیہ انتخابات میں BJP کی واضح اکثریت نے یہ ثابت کر دیا کہ بھارتی عوام نے بالآخر کانگریس ہی نہیں بلکہ موروثی سیاست پر بھی عدم اعتماد کا اظہار کیا۔ عام تاثر یہ ہے کہ نریندر مودی بھارتی مسلمانوں کے لیے شاید اچھی نوید نہ ہوں، ان انتخابات میں بھارت میں صرف 23 مسلمان امیدوار کامیاب ہوئے جن میں کسی کا تعلق بی جے پی سے نہیں۔ دنیا کی سب سے بڑے جمہوریت کے دعویدار بھارت کے لیے مذہبی انتہا پسند مودی کی سربراہی میں اندرون ملک اور پاکستان سمیت دیگر مسلم ممالک سے بہتر تعلقات ایک بڑا امتحان ہوگا۔ انتخابات کے بعد کانگریس نے کھلے دل سے شکست تسلیم کی اور حیران کن طور پر دھاندلی کا لفظ نہیں سنا گیا۔ امریکہ کی طرح بھارت میں بھی بائیومیٹرک انتخابی نظام ہے جو گزشتہ ڈیڑھ دہائی سے متعارف ہوا ہے مگر اس سے قبل بھی بھارت میں انتخابی دھاندلیوں کا ڈھول اس طرح نہیں پیٹا گیا جیسے ہمارے ہاں پیٹنے کا رواج ہے۔ ہماری تاریخ تو اس لحاظ سے بڑی افسوسناک ہے، مشرقی پاکستان کا بنگلہ دیش بننے میں ایک وجہ انتخابات کے بعد نتائج تسلیم نہ کرنا بھی تھا۔ ضیاء الحق کی آمریت بھی انتخابی دھاندلی کا ثمر تھا۔ 1990ء کے انتخابات کے بعد پیپلز پارٹی والے کی زبان پر یہی تھا جو آج تحریک انصاف کہہ رہی ہے یعنی ''جھرلو'' پھر گیا۔

گزشتہ دنوں نارووال میں ضمنی انتخابات ہوئے جس میں حسب توقع حکومتی پارٹی کے امیدوار کامیاب ہوئے۔ ہمارے ہاں یہ ایک عام تاثر ہے کہ ضمنی انتخابات میں اکثر حکومتی جماعت کے امیدوار ہی کامیاب ہوتے ہیں۔ برطانیہ میں حالیہ لوکل باڈیز کے انتخابات میں لیبر پارٹی نے برتری ثابت کی جبکہ حکومتی پارٹی یعنی ٹوری پارٹی کو اپنی متعدد کونسلز سے ہاتھ دھونا پڑا۔ برطانیہ میں 22 مئی کو ہونے والے لوکل اور یورپی پارلیمنٹ کے انتخابات والے دن عام تعطیل بھی نہیں تھی اس کے باوجود لوگوں نے انتخابی عمل میں بھرپور حصہ لیا۔ عوام سمیت سیاست دانوں نے نتائج کو دل سے تسلیم کیا، دھاندلی کی بازگشت کہیں سنائی نہیں دی، حالانکہ یہاں پر بھی کوئی بائیومیٹرک سسٹم نہیں۔ عوام کی کثیر تعداد بذریعہ ڈاک بھی اپنا حق رائے دہی استعمال کرتے ہیں۔ کیا ہم یہ تصور کر سکتے ہیں کہ ہم بھی بذریعہ ڈاک ووٹ ڈالیں اور پھر نتائج کی شفافیت پر شک بھی نہ ہو۔ عمران خان سے پہلے بھی لوگوں کے ساتھ دھاندلی ہوتی رہی ہے۔ جسے لوگوں نے یا تو کڑوا گھونٹ سمجھ کر نگل لیا، اگر احتجاج کیا تو ووٹوں کے رونے میں بوٹوں والے اقتدار پر قابض ہو گئے۔ برطانیہ، امریکہ، بھارت اور جرمنی میں بھی جمہوریت ہے اور حکومت دو بڑی سیاسی پارٹیوں میں سے کوئی ایک بناتی ہے۔ وطن عزیز میں مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی دو بڑی سیاسی پارٹیوں کے علاوہ عسکری قوت بھی اپنی باری لینے میں بہت ڈسپلن کا مظاہرہ کرتی رہی ہیں۔ مسلم لیگ تقسیم ہو کر مخصوص خاندانوں میں چلی گئی۔ پیپلز پارٹی نے چیئرمین شپ صرف اپنے گھر رکھنے کے لیے بلاول کو بھٹو بنا دیا۔ ایم کیو ایم میں موروثیت تو نہیں مگر اس پر لسانیت کی چھاپ ہے۔ ان حالات میں تحریک انصاف سیاسی عمل میں ایک تبدیلی کا تصور تھا جس کا نعرہ بھی تبدیلی اور نیا پاکستان تھا مگر انتخابات کے بعد کچھ بھی تبدیل

نہ ہوا۔ کسی بڑی پارٹی کا حکومت بنانا جمہوری دنیا میں ایک نارمل سی بات ہے۔ مگر مخصوص گروہ کا اقتدار میں بار بار آنا کسی بھی جمہوری ملک میں نہیں ہوتا، یہ شہنشاہیت، بادشاہت، یا کسی پیر کی گدی نہیں جس پر جانشین اس کے اپنے گھر سے ہوتا ہے۔ امریکہ میں ریپبلیکن پارٹی گزشتہ 160 برس سے قائم ہے جس کے پہلے صدر Abraham Lincon تھے، دوسری بڑی سیاسی جماعت ڈیموکریٹک ہے جو 1828ء میں بنائی گئی تھی۔ مگر سیاسی جماعت کی قیادت قابلیت اور اہلیت کی بنا پر ہوتی رہی ہے خاندانی پس منظر کی وجہ سے نہیں۔ جرمنی میں بھی دو بڑی سیاسی جماعتیں سی۔ ڈی۔ یو اور ایس۔ پی۔ ڈی ہیں اور حیران کن طور پر انہوں نے گرینڈ الائینس سے حکومت بنانے کی ہیٹ ٹرک مکمل کی ہے جس میں تینوں مرتبہ انجیلا میرکل (Angela Merkel) ہی جرمن چانسلر منتخب ہوئیں یہ گرینڈ الائینس جرمنی میں پہلے بھی بن چکا ہے جو ملکی مفاد کی خاطر تھا نہ کہ منافقانہ جمہوریت کو بچانے کی خاطر۔ اس سے قبل تین یا تین سے زائد مرتبہ جرمن چانسلر بننے کا اعزاز CDU کے بانی کون راڈ آڈے ناور (Konrad Adenauer)، مشرقی اور مغربی ملانے میں اہم کردار ادا کرنے والے ہیلمٹ کوہل (Helmut Kohl) اور ہیلمٹ شمٹ (Helmut Schmit) شامل ہیں۔ سی۔ ڈی۔ یو پارٹی کا چیئر مین سترہ مرتبہ جرمن چانسلر منتخب ہوا جبکہ SPD پارٹی کو یہ اعزاز چھ مرتبہ ملا جب اس کا چیئر مین جرمن چانسلر منتخب ہوا۔ ایس پی ڈی 1863 میں بنائی گئی اور ہٹلر نے 1933ء میں اس پر پابندیاں عائد کر دیں، اسکے سیاسی رہنماؤں کو جیلوں میں بند کر دیا اور کافی سیاسی رہنماء اور سیاسی ورکرز ہٹلر کے حکم پر مارے بھی گئے، دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد 1945ء میں قائم ہونے والی سیاسی جماعت CDU نے کامیابی حاصل کی۔ انتخابی مہم میں ایس۔ پی۔ ڈی نے ہٹلر کے ہاتھوں ظلم سہنے کی داستانوں کو ووٹ لینے کے لیے استعمال نہیں کیا۔ جرمنی کی دونوں بڑی سیاسی جماعتوں کے سربراہان کا تعلق مختلف خاندانوں سے ہے۔ برطانیہ میں بھی دو بڑی سیاسی جماعتیں ٹوری پارٹی یا کنزرویٹو پارٹی اور لیبر پارٹی ہیں۔ لیبر پارٹی کا قیام 1900ء میں ہوا اس کے بانی (Keir Hardie) ہیں جن کی زندگی میں لیبر پارٹی انتخابات نہ جیت سکی، 1924ء میں لیبر پارٹی نے انتخابی معرکہ پہلی مرتبہ سر کیا اور (Ramsay MacDonalds) وزیر اعظم منتخب ہوئے۔ 1834ء میں بننے والی کنزرویٹو پارٹی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ برطانیہ کا پہلا وزیر اعظم (Sir Robert Peel) کا تعلق ان کی پارٹی سے تھا۔ اس کے علاوہ ونسٹن چرچل اور مارگریٹ تھیچر جیسے تاریخ ساز وزرائے اعظم بھی ٹوری پارٹی کے حصے میں آئے۔ برطانیہ میں بادشاہت کا نظام ہے مگر وہ سیاسی طور پر فعال نہیں، گو کہ ملکہ برطانیہ قانون سازی کے عمل میں شامل ہوتی ہیں مگر صرف دستخط کی حد تک، باقی ملکہ کی تصویر برطانوی پاؤنڈ پر ہوتی، مگر بادشاہت کا کوئی اثر جمہوریت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

جمہوریت کا اصل حسن ہی جمہور سے ہے، چند مخصوص خاندانوں سے نہیں۔ خاندان در خاندان بادشاہت، شہنشاہیت اور پیری فقیری چل سکتی ہے مگر جمہوریت نہیں۔ برطانیہ کی لیبر پارٹی ہو یا ٹوری پارٹی، امریکہ کی ڈیموکریٹک پارٹی ہو یا ریپبلکن پارٹی، جرمنی کی ایس۔ پی۔ ڈی پارٹی ہو یا سی۔ ڈی۔ یو۔ پارٹی، کسی سیاسی جماعت کا نام لینے سے کسی مخصوص خاندان یا شخص کا تصور ذہن میں نہیں آتا۔ اگر خاندانی پس منظر سے اصلی جمہوری سیاسی جماعتیں اپنا رہنماء منتخب کرتیں تو آج براک اوبامہ دوسری مرتبہ امریکہ کا صدر تو کیا شاید کسی ریاست کا گورنر بھی نہ بن پاتا۔ وطن عزیز کا نام تو ہم نے اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھ دیا ہے مگر حیرانگی اس بات پر ہے کہ اس میں آج تک

کبھی حقیقی جمہوریت اوراصل اسلام کی جھلک نظرنہیں آئی۔وطن عزیز میں آمراس لحاظ سے سیاستدانوں سے بہتر ہیں کہ انہوں نے اقتدار کبھی اپنے خاندان کومنتقل نہیں کیاسو ہم آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان میں موروثی جمہوریت اور غیر موروثی آمریت ہوتی ہے۔ملک میں تمام سیاسی جماعتیں مخصوص خاندانوں یا کسی شخصیت کے گرد ہی گھومتی ہیں،ایم۔کیوایم کا نام لیتے ہی قائدتحریک الطاف بھائی، تحریک انصاف کامحورعمران خان،مسلم لیگ نون سے میاں برادران بلکہ میاں خاندان،پیپلز پارٹی بھٹو خاندان،مسلم لیگ ق سے چوہدری برادرز،اوراسی طرح دیگر سیاسی ومذہبی جماعتوں کے رہنماؤں کا تعلق بھی کسی خاص گھرانے سے ہے۔جمہوری نظام درست کرنے کے لیے چارحلقوں کی ووٹوں تصدیق سے مسیلہ حل نہیں ہوگا۔اصلی جمہوریت کے لیے آمرانہ،بادشاہانہ اورشہنشاہانہ موروثی نظام سیاست کوبھی بدلناہوگا۔ اصلی جمہوری ممالک میں سیاسی رہنماء بدلتے رہتے ہیں مگر پارٹی وہی رہتی ہے،ہمارے ہاں اگر سیاسی رہنماء کواگر یہ پتہ چل جائے کہ لوگ اس کی جگہ کسی اورکو پارٹی کی قیادت سونپنا چاہتے ہیں تو وہ نئی پارٹی بنالیتا ہےاوراس کا تاحیات سربراہ رہنے کے لیے پارٹی کے آخرمیں اپنے نام کاحرف (ن،ق،ف،گ،پ،ش۔پ،ب۔ش وغیرہ) رکھ لیتا ہے۔ یہ بھلا کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ آمرانہ رویے رکھنے والاایک مخصوص گروہ ملک میں حقیقی جمہوریت لے آئے؟

تحریر:سہیل احمدلون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

23-05-2014.